التحیات کا پیغام انسان کی ساری زندگی پر حاوی ہے

نماز میں درود شریف پڑھنے کی حکمت اور عارفانہ تشریح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲ /اگست ۱۹۹۱ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

نمازوں کے سلسلے میں جو خطبات دیئے جارہے ہیں۔ آج یہ غالباً اس سلسلے کا آخری خطبہ ہے۔ میں نے گزشتہ خطبہ میں التحیات پر گفتگو ختم کی تھی لیکن التّحیات کا مضمون ابھی جاری تھا۔ اس لیئے التّحیات ہی سے میں اس مضمون کو دوبارہ اُٹھاتا ہوں۔ التّحیات کا مطلب ہے: تحفے اور تحفوں کا تعلق عام دیگر انسانی لین دین کے معاملات سے بالکل الگ اور ممتاز ہوتا ہے۔ اس میں انسان ایک چیز کسی دوست یا کسی بڑے کے حضور اس خاطر پیش کرتا ہے کہ اس کے نتیجے میں اسے ویسی کوئی چیز نہ ملے بلکہ اس کی محبت اور رضا حاصل ہو اور یہی تحفے کا مفہوم ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے جو بھی مالی قربانیاں خدا کی راہ میں ہم پیش کرتے ہیں ان کے اندر بڑھا کر واپس لینے کا مضمون قربانی کرنے والے کے ذہن میں نہیں آنا چاہئے۔ اسی مضمون کو قرآن کریم یوں پیش فرماتا ہے کہ وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ (المدثر: ۷) کہ تو یہ سوچ کر احسان نہ کیا کر کہ تو بڑھا کر واپس لے گا اس لئے اگر چہ آپ کو بار بار یہ سمجھایا جاتا ہے کہ **خدا تعالیٰ ہمیشہ بڑھا چڑھا کر دیتا ہے لیکن اگر اس نیت سے خدا کے حضور پیش کیا جائے کہ زیادہ ملے گا تو یہ بہت ہی ادنیٰ سودا ہے اور اپنی قربانی کو تحفے کی بجائے ایک عام تجارت بنادینے والی بات ہے۔ خدا سے تجارت کا معاملہ چلتا تو ہے مگر وہاں تجارت کا مفہوم اور ہے۔**

پس التحیات نے ہمیں بتادیا کہ جو کچھ تم خدا کے حضور پیش کرتے ہو اس نیت سے پیش کیا کرو کہ اس کے بدلے جزاء ملے اور جزاء رضا کی جزاء ہو نہ کہ دنیاوی جزاء۔ اس نیت سے تحفے کا مضمون سمجھنے کے بعد ہماری تمام قربانیوں پر ایک غیر معمولی اثر پڑے گا چنانچہ نماز نے ہمیں صرف مالی قربانیوں سے متعلق ہی نہیں سمجھایا بلکہ بدنی قربانیوں سے متعلق بھی یہی سمجھایا ہے۔ فرمایا التّحیات للّٰہِ و الصلواتُ و الطیّباتُ ۔ الصلوٰت سے بدنی قربانی مراد ہے اور الطیبات سے وہ پاکیزہ چیزیں مراد ہیں جو قولی ہوں یا فعلی ہوں یا جنس سے تعلق رکھتی ہوں اور جو ہم خدا کے حضور پیش کرتے ہیں۔ پس اس پہلو سے انسان کے خدا سے تمام تعلقات تحفہ پیش کرنے کے تعلقات ہو جاتے ہیں۔ جو شخص تحفہ قبول کرتا ہے اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو انسان کسی بڑے انسان سے تحفہ لیتا ہے جبکہ اس کے مقابل پر وہ مالی لحاظ سے بھی اور دوسرے لحاظ سے بھی ادنیٰ ہوتا ہے۔ ایسا شخص دل میں خواہش تو بہت رکھتا ہے کہ میں کسی طرح بڑھا چڑھا کر پیش کروں لیکن اس خواہش کو پورا نہیں کرسکتا اس لئے اگر وہ شخص جس کے حضور وہ تحفہ پیش کرنا چاہے حقیقتاً معزز ہو اور دل کا کریم ہو تو وہ اس کے ادنیٰ کو بھی بہت بڑھا کر قبول کرتا ہے۔ اس کے سوا اس غریب کے دل کی تمنا پوری ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں ہوتی گویا اس کے دل کی تمنا بھی کسی بڑے انسان کے کرم پر منحصر ہے۔ پس اس پہلو سے جہاں تک خدا کو تحفہ دینے کا تعلق ہے وہ تو یہی رشتہ بنتا ہے۔ ایک ایسے وجود کو تحفہ پیش کیا جارہا ہے جو ہر لحاظ سے بالا ہے اور اُسے ضرورت نہیں ہے۔ ہم اُس کو تحفہ پیش کرنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتے لیکن جب وہ قبول کرتا ہے تو کرم کے نتیجے میں اس رنگ میں قبول کرتا ہے جیسے تم نے بہت بڑا کام کیا ہے اور چونکہ وہ زیادہ دینے کی استطاعت رکھتا ہے اس لئے وہ از خود زیادہ دیتا ہے ورنہ پیش کرنے والے کو تو اپنی غربت اور کم مائیگی کا احساس تھا۔ وہ تو اس شرم سے پیش کر رہا ہے کہ میں جو پیش کر رہا ہوں اس لائق نہیں کہ میں یہ پیش کرسکوں کیونکہ میرا محبوب اتنا بڑا ہے کہ میری طرف سے کچھ بھی پیش کیا جائے تو وہ چیز اس لائق نہیں ٹھہرتی کہ اس کے حضور پیش کی جائے۔ پس اس کے بعد اس کے دماغ میں یہ خیال آنا کہ جتنا میں دوں گا اس سے بڑھا کر وہ مجھے دے دے گا کتنی کمینی بات ہوگی کتنی گھٹیا بات ہو جائے گی اور تحفے کے مزاج بگاڑنے والی بات ہوگی۔

پس خدا تعالیٰ سے تعلقات کے وقت یہ سودا پیش نظر نہ رکھا کریں کہ ابھی میں نے دیا اور کل

مجھے زیادہ مل جائے گا بلکہ یہ خیال کہ خدا کی راہ میں جو دینا چاہئے اس کی استطاعت نہیں رکھتے اور تحفہ پیش کرنے کو دل چاہتا ہے اور تحفے کے مقابل پر اگر کوئی واپسی کی بات کرے تو اس سے بھی انسان شرم سے کٹ جاتا ہے تو اس نیت سے خدا کے حضور میں پیش کرنا چاہیے کہ میں دے رہا ہوں اور شرم کے ساتھ دے رہا ہوں کہ جتنی توفیق ہے اس کے مطابق دے رہا ہوں ورنہ حق یہ تھا کہ اس سے بہت زیادہ دیا جاتا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے قبول کرلے اور دنیا میں فوراً واپس نہ کرے تو یہ خیال دماغ میں پیدا ہو جانا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ چندے میں بڑی برکت پڑتی ہے لیکن ہمیں تو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا، بہت ہی گھٹیا اور کمینی بات ہوگی اور یہ تحفہ نہیں رہے گا اور چونکہ تحفہ نہیں رہے گا اس لئے قبول بھی نہیں ہوگا کیونکہ التّحیات نے ہمیں بتایا ہے کہ تحفے ہی ہیں جو قبول ہوں گے، باقی چیزیں نہیں ہوں گی۔ اگر تحفہ پیش کرتے ہو تو منظور ہے۔ تحفہ نہیں تو پھر تم اپنے کام سے کام رکھو خدا اپنے کام سے کام رکھتا ہے۔ تمہارے ساتھ ان قربانیوں کے نتیجے میں خدا سے تمہارا تعلق قائم نہیں ہوگا۔

دوسری بات التحیات ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ روزانہ ہم خدا کے حضور پانچ وقت جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ التّحیات للّٰہِ والصلوٰتُ والطّیّباتُ تو کوئی انسان پہلے تحفے تو دوبارہ نہیں دیا کرتا۔ آخر ہم پانچ وقت کی ہر نماز میں بعض دفعہ ایک سے زیادہ دفعہ جب خدا کے حضور یہی بات پیش کرتے ہیں کہ التّحیات للّٰہِ والصلوٰتُ والطیباتُ تو اس کا یہ مطلب تو بہر حال نہیں ہوسکتا کہ ہم نے ایک دفعہ جو نیکیاں کر دیں، ایک دفعہ جو قربانیاں خدا کے حضور پیش کیں انہی کو بار بار تحفہ بنا کر دے رہے ہیں کیونکہ دنیاوی تعلقات میں تو انسان ایسا نہیں کرتا۔ اگر ایسا کرے تو بہت ہی پاگل اور احمق دکھائی دے گا۔ پس نماز پانچ وقت یہ پیغام دیتی ہے کہ دو نمازوں کے دوران تم نے کوئی نیکی کی ہے کہ نہیں۔ اگر دو نمازوں کے دوران کوئی اچھا نیک قول بھی تم نے کہا ہے تو آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق اور قرآن کے ارشاد کے مطابق وہ بھی ایک ہدیہ ہے، ایک تحفہ ہے، ایک اچھا نیک عمل ہے۔ خواہ قول بھی اچھا ہو تو وہ بھی نیک اعمال میں شمار ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس عرصے میں کوئی اور نیک عمل کرنے کی توفیق نہیں ملی تو ذکرِ الٰہی کی توفیق ملی ہوگی کسی کو نیک نصیحت کرنے کی توفیق ملی ہوگی غیر کو نہیں تو اپنی بیوی کو، اپنے بچوں کو، اپنے ساتھیوں کو کوئی اچھی بات کہنے کی توفیق ملی ہوگی اس تمام عرصے میں جو دو نمازوں کے درمیان آپ پر گزرتا ہے کچھ نہ کچھ تحفہ آپ نے ضرور بنانا ہے

اور وہی تحفہ ہے جو خدا کے حضور پیش کیا جائے گا۔

پس اگر اس پہلو سے سوچتے ہوئے جب آپ نماز میں **التّحیات للّٰہ والصلوٰتُ والطیباتُ** کہتے ہیں تو بسا اوقات دل کانپ جائے گا کہ ہم خالی ہاتھ آئے ہیں اور بات یہ کر رہے ہیں کہ اے خدا! ہم تیرے حضور تحفہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور تحفے بھی ایسے ہیں جو جمع کی صورت میں ہیں یعنی تحائف پیش کر رہے ہیں۔ والصلوٰتُ نیک اعمال کے ذریعے، بدنی قربانیوں کے ذریعے بھی و الطیباتُ اور اچھی چیزیں پیش کر کے بھی پس اس مضمون کو سمجھنے کے بعد التّحیات کا پیغام بہت ہی وسیع ہو جاتا ہے اور زندگی کے ہر دائرے پر حاوی ہو جاتا ہے۔ روزمرّہ کی نمازوں میں نیکیاں بھرنے کی طرف ہمیں متوجہ کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے حضور وہی نیکیاں قبول ہونگی جو تحائف کا رنگ رکھتی ہوں گی اُس کے بغیر نہیں۔ چنانچہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:۹۳) میں دراصل یہی پیغام ہے جو دیا گیا ہے کہ نیکی کی تعریف ہی تم نہیں سمجھتے اگر تمہیں یہ پتا نہ ہو کہ جو کچھ خدا کے حضور پیش کرتے ہو، وہ کرو جو سب سے اعلیٰ ہو اگر تمہیں سب سے اچھا پیش کرنے کا مزاج نہیں ہے اگر تمہیں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ خدا کے حضور سب سے اچھا پیش کرنا چاہئے تو تمہیں نیکی کی تعریف کا علم نہیں ہے۔ پس نیکی کی تعریف اور تحفے کی تعریف ایک ہی ہوگئی کیونکہ تحفے میں بھی انسان اچھی چیز چُن کر پیش کیا کرتا ہے جبکہ Tax میں بری چیز چن کر پیش کیا کرتا ہے۔ اگر مالیہ وصول کرنے والے گندم کی شکل میں مالیہ وصول کرنے آئیں تو کبھی زمیندار یہ نہیں کرتا کہ بہترین گندم چُن کر وہ مالیہ والوں کے سپرد کر دے بلکہ جو سب سے ذلیل، پانی میں ڈوبی ہوئی یا کالی ہوئی ہوئی گندم ہے وہ مالیہ میں دے گا لیکن تحفے میں برعکس مضمون ہے۔ پس حقیقت میں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا میں تحفے ہی کی تعریف کی جارہی ہے چنانچہ فرمایا حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ کہ جب تک تمہیں محبت نہ ہو۔ پس محبت ہی کے نتیجہ میں تحفہ پیدا ہوتا ہے اور چونکہ تحفہ محبوب کے لئے پیش کیا جاتا ہے اس لئے محبوب کے لئے محبوب چیز پیش کی جاتی ہے۔ پس وہ اعمال قبول ہوں گے جو آپ کو محبوب ہوں جن کو فخر کے ساتھ آپ پیش کر سکیں اور وہ اچھی چیزیں مالی قربانی ہو یا کوئی اور کلمات کے ذریعے خدا تعالیٰ کی حمد کا بیان ہو، وہ ساری اچھی چیزیں جو آپ پیش کرتے ہیں۔ ایسے رنگ میں ہوں کہ سجی ہوئی ہوں، آپ کو اچھی لگ رہی ہوں۔ آپ کی

نظر میں بھی محبوب ہوں۔

اس کے بعد یعنی التّحیات للّٰہِ والصلوٰتُ والطیباتُ کے بعد انسان کہتا ہے کہ السَّلامُ علیکَ ایھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ ۔السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہ اے نبی ہم تجھ پر سلام بھیجتے ہیں۔ یہ سلام درحقیقت تحفے ہی کے رنگ ہیں پیش کیا جارہا ہے کیونکہ خدا کو تحفے دینے کے بعد جو سب سے زیادہ محبوب ہستی ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہستی ہے اور اللہ کو تحائف پیش کرنے کے بعد سب سے زیادہ تحفے کا حق اگر کوئی وجود رکھتا ہے تو وہ آنحضرت ﷺ ہی کا وجود ہے۔ اس سلسلہ میں بعض لوگ ناسمجھی سے یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نعوذ باللہ حاضر ناظر ہیں اور حاضر ناظر کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ اگر یہ دلیل درست ہو تو پھر خدا حاضر ناظر نہیں رہے گا کیونکہ اسی تخاطب میں التّحیاتُ علیکَ یا اللّٰہ نہیں کہا گیا بلکہ التّحیات للّٰہ والصلوٰتُ والطیباتُ فرمایا گیا ہے، تو خدا غائب ہو گیا اور محمد رسول اللہؐ حاضر ہو گئے۔ یہ مضمون تو بالکل ہی اکھڑ جائے گا، بے معنی ہو جائے گا اس لئے یہاں جو تخاطب ہے وہ اور معنی رکھتا ہے۔ بعض دفعہ حاضر کو عزت اور احترام کے نتیجے میں غائب کیا جاتا ہے اور غائب کو بھی عزت اور احترام کے نتیجے میں حاضر کیا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ جو ہم کہتے ہیں تو اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ غائب بھی ہیں مگر معزز بھی ہیں کیونکہ ''آں'' کا لفظ اعزاز کے لئے پایا جاتا ہے لیکن یو۔ پی میں جب خطاب کرتے ہیں تو بعض دفعہ حاضر کو غائب کے طور پر یہ بتانے کے لئے خطاب کرتے ہیں کہ ہم آپ کی بہت عزت کرتے ہیں اور بعض دفعہ غائب کو عزت کی خاطر مخاطب کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کو آپ کہہ رہے ہیں حالانکہ آپؐ غائب ہیں تو یہ جو طرزِ تخاطب ہے یہ اسی معنی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو عزت اور احترام کی خاطر آپ کہا جارہا ہے حالانکہ آپ غائب ہیں اور خدا حاضر ہے لیکن اُسے عزت اور احترام کی خاطر غائب کیا جارہا ہے اور کلام کا یہ محاورہ دنیا کے ہر کلام میں ملتا ہے۔ پس خدا کے ساتھ اس کی عظمت اور شان کے پیش نظر حاضر ہوتے ہوئے بھی غائب کا خطاب ہے اور آنحضرت ﷺ کا خدا کے مرتبہ کے بعد دوسرے مرتبہ پر ذکر ہے لیکن غائب ہوتے ہوئے بھی مخاطب کا خطاب ہے اور اس سے زیادہ اس کے اور کوئی معنی نہیں ہیں نعوذ باللہ یہ

مطلب نہیں ہے کہ جب ہم سلام بھیجتے ہیں تو جیسا کہ بعض مسلمان یقین کرتے ہیں آنحضرت ﷺ ہمارے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں گویا ہر نماز پڑھنے والے کی نماز کے سامنے اس موقعہ پر وہ آکھڑے ہوں گے۔ یہ محض ایک جاہلانہ بات ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور یہ خیال بھی شرک ہے۔ پس جب بھی آپ **السلام علیك ایھاالنبی** کہتے ہیں تو عزت اور احترام کے لئے خطاب کر رہے ہیں ورنہ حقیقت میں سامنے رکھ کر خطاب نہیں کر رہے۔

دوسری بات **السلام علینا و علی عباد للّٰہِ الصالحین** ہے۔ یعنی ہم سب پر بھی سلام ہو اور مخاطب کے متعلق متکلم کا صیغہ آیا کرتا ہے۔ پس اس پہلو سے بھی **التّحیات** کے اندر ایک حُسن بلاغت پایا جاتا ہے۔ غائب میں خدا کی بات ہوئی، پھر مخاطب میں حضرت محمد رسول اللہؐ کی بات ہوئی۔ اس کے بعد ہم متکلم میں داخل ہو گئے اور اپنے ساتھ تمام مومنین کو شامل کر لیا خواہ وہ موجود ہوں یا نہ ہوں اس لئے اس مضمون میں موجودگی کی کوئی بحث نہیں ہے۔ صرف ایک درجہ بدرجہ مرتبے کی گفتگو ہو رہی ہے اور ایک حسن کلام ہے جو اس شان کے ساتھ اپنے پہلو بدل رہا ہے۔ **وعلی عباد اللہِ الصالحین** پھر تمام صالح بندوں پر سلامتی بھیجی گئی۔ اس مضمون پر جا کر سورۃ فاتحہ سے ہم نے جو مضامین سیکھے تھے وہ اپنے درجہ کمال کو پہنچ گئے اور خدا تعالیٰ کی حمد کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی مدح کی اور اپنے لئے اور تمام مومنین کے لئے ہر قسم کی دعائیں ہم نے اس میں مانگیں۔ اللہ تعالیٰ سے ذاتی تعلقات قائم کئے اب اس کے بعد یہ سوال ہے کہ **اشھدُان لااِلٰہَ الااللّٰہ** کا کیا موقعہ ہے اور اس مقام پر اسے کیوں سجایا گیا ہے؟ میں نے جہاں تک غور کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ **کلمہ لاالہ الااللّٰہ** در حقیقت سورۂ فاتحہ میں موجود ہے اور محمد رسول اللہ بھی سورۂ فاتحہ میں موجود ہے اور یہ مضمون سورۂ فاتحہ ہی کا ہے جو یہاں آکر کامل ہوتا ہے اور ہمیں ایک نئی طرز پر بتایا جا رہا ہے۔ جب ہم اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہتے ہیں تو یہاں صرف معبود کے طور پر خدا کا اقرار ہی نہیں کرتے بلکہ اِيَّاكَ کہہ کر ساتھ غیب کی نفی بھی کر رہے ہیں تو حقیقت میں **لاالہ الااللّٰہ** کا مضمون اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں بہت شان کے ساتھ گویا مختلف لفظوں میں بیان ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جب ہم اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مضمون میں داخل ہوتے ہیں تو سب سے بڑا نبی جس پر سب سے زیادہ انعاموں کی بارش کی گئی وہ حضرت محمد مصطفی ﷺ ہی تھے۔ اس لئے

نماز میں جب ہم یہ دعا مانگتے ہیں کہ اُن لوگوں کے رستوں پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا تو سب سے زیادہ واضح طور پر جو بنی انسان کے ذہن پر چھا جاتا ہے وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ آپ ہی ہیں جو ذہن پر چھا جاتے ہیں۔ آپ ہی ہیں جو دل میں سما جاتے ہیں اور حقیقت میں آپ کے نام کے ساتھ باقی سب نبیوں کا نام شامل ہو جاتا ہے پس انعام یافتہ لوگوں میں سب سے اہم ذکر حضرت محمد مصطفی ﷺ کا ہے اور اسی کا دوسرے لفظوں میں بیان یوں ہوا کہ **لاالٰہ الااللّٰہ محمدرسول اللّٰہ** تو نماز نے چونکہ درجہ بدرجہ ہماری تربیت کی اور سورۂ فاتحہ کا مضمون ہم پر مزید کھلتا چلا گیا۔ اس مضمون کا معراج یہ کلمہ ہے، **اشھدان لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھدان محمداً عبدہ ورسولہ** لیکن یہاں یہ کلمہ تجربے کے بعد بیان ہوا ہے نظریاتی طور پر نہیں۔ سورۂ فاتحہ نے ہمیں خدا سے تعلقات کے ایسے تجارب سے گزارا ہے اور آنحضرت ﷺ کا مقام ہم پر اس طرح ظاہر فرما دیا کہ تحفہ دیتے وقت سب سے پہلے خدا کی ذات کا تصور ذہن میں آیا اس کے معاً بعد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا تصور ذہن میں آیا۔ پس اسی مضمون نے ہمیں یاد کرایا کہ **لاالٰہ الااللّٰہ محمدرسول اللّٰہ** حقیقت میں دو ہی چیزیں ہیں۔ اللہ کی ذات اور محمد رسول اللہ۔ باقی سب افسانے ہیں۔ باقی وہ ہیں جو اُن کے ساتھ جُڑے ہوئے ہیں اور اُن کے ساتھ تعلق کی بناء پر اُن کا وجود بنتا ہے۔

یہاں تک سورۂ فاتحہ کا سفر حاضر اور مستقبل کا سفر تھا۔ اس میں حاضر کے طور پر مخاطب کیا جا رہا ہے اور حاضر یا مستقبل کے طور پر دعائیں مانگی جارہی ہیں۔ اب نماز آپ کو دوسرے زمانوں کا سفر بھی کرائے گی اور پہلوں کی یادیں بھی آپ کے لئے لے کر آئے گی۔ چنانچہ آپ دیکھیں شروع سے آخر تک جب تک ہم کلمہ **لاالٰہ الااللّٰہ** نہیں پڑھتے اور یہ شہادت نہیں دیتے اس وقت تک ہماری ساری دعائیں حاضر اور مستقبل سے تعلق رکھنے والی دعائیں ہیں۔ ان معنوں میں آنحضرت ﷺ پر درود بھیجتے وقت بھی آپ کو ماضی کے وجود کے طور پر مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ ایک حاضر وجود کے طور پر مخاطب کیا گیا ہے اور اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ آپ کا زمانہ زندہ ہے۔ آپ ایک ایسے زندہ نبی ہیں جو زمانی لحاظ سے ماضی میں نہیں رہے بلکہ حال کے بھی نبی ہیں اور مستقبل کے بھی نبی ہیں۔ اس اب تک کا جو مضمون تھا وہ چونکہ حاضر اور مستقبل کے زمانے سے تعلق رکھتا تھا اس لئے آپ کا ذکر اُن لوگوں

میں کیا گیا۔ اب ماضی کی طرف بھی نماز ہمیں لے کر جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے معاً بعد جب ہم **کماصلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید** کہہ کر درود بھیجتے ہیں تو ماضی کے نیک لوگوں کے لئے بھی دعائیں مانگتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے بعد جس کا سب سے زیادہ حق ہے کہ اس پر سلام بھیجا ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ابوالانبیاء بھی کہلاتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام وہی بزرگ نبی ہیں جن کی اولاد میں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ پیدا ہوئے۔ آپ وہی بزرگ نبی ہیں جن کی دعاؤں کو خدا تعالیٰ نے قبولیت کا شرف بخشا اور آنحضرت ﷺ آپ کی دعاؤں کا بہترین ثمر ہیں۔ پس اس تعلق کو ظاہر کرنے کیلئے اور یہ بتانے کے لئے کہ تم اگر اپنے محسنوں کے لئے دعا کرتے ہو اور ان کو تحائف پیش کرتے ہو تو ایک بڑے عظیم سابق محسن کو بھی یاد رکھنا اور وہ ابراہیمؑ ہیں اور ان کے حوالے سے پھر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر سلامتی بھیجو۔ سلامتی تو ہم دراصل آنحضرت ﷺ پر بھیج رہے ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وجود آنحضرت ﷺ کے وجود کے ساتھ منسلک کر کے حضرت ابراہیمؑ کو بھی بہت ہی عظیم خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور **کماصلیت** میں جاری سلامتی ہے۔ کوئی ماضی کی سلامتی نہیں ہے۔ یہ مضمون بھی لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ مراد نہیں ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی بھیجی گئی تھی اور ختم ہوگئی اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر سلامتی بھیج۔ اگر ایسی محدود سلامتی رسول اللہ ﷺ کے لئے مانگنی ہے تو اس سے نہ مانگنا بہتر ہے۔ **کماصلیت** میں دراصل ماضی کا واقعہ ہے ماضی میں سلامتی شروع ہوئی تھی اس لئے ماضی کا صیغہ بولا گیا ہے ورنہ ہرگز یہ مراد نہیں کہ وہ سلامتی رسول اللہ ﷺ کے وقت پر آ کر ختم ہوگئی بلکہ قرآن خود بتا رہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا نام سلامتی کے ساتھ قیامت تک لیا جائیگا۔ آخرین میں بھی سلامتی کے ساتھ آپ کو یاد کیا جائے گا۔ پس اس طرح اس درود کا مطلب یہ بنے گا کہ اے خدا! تو حضرت محمد مصطفی ﷺ پر اسی طرح ہمیشہ جاری رہنے والی سلامتیاں بھیج جس طرح تُو نے ابراہیمؑ پر ہمیشہ جاری رہنے والی سلامتی بھیجی تھیں۔ جس طرح ابراہیمؑ کی نسل میں تو نے بہت عظیم الشان پھل لگائے اسی طرح محمد مصطفی ﷺ کی نسل میں بھی بہت ہی عظیم الشان پھل لگا۔ جس طرح ابراہیم اور ابراہیم کی اولاد سے تو نے محبت کی اور اُن سب سے محبت کی جو ابراہیمؑ کے پیچھے چلنے والے تھے۔ اسی طرح محمد مصطفی ﷺ اور آپ کی اولاد اور اُن سب سے محبت فرما

جو آپ کے پیچھے چلنے والے ہیں۔ پس ان معنوں میں درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ایک اور رنگ بھی اختیار کر لیتا ہے اور کیونکہ ایک ماضی کے محسن کا ذکر ہے اس لئے نماز کی دعا زمانے میں وسیع تر ہو جاتی ہے اور اس کا تعلق ماضی سے بھی شروع ہو جاتا ہے۔ اس تعلق کی بناء پر آگے چل کر آپ کو اپنے والدین کے لئے بھی دعا سکھادی گئی رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ (ابراہیم:۴۱) میں پہلے اولاد کا بتایا لیکن سارے زمانے اکٹھے کر دیئے ہیں۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ اے خدا مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا دے و من ذریتی اور میری اولاد کو بھی نماز پر قائم کر۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ اے ہمارے رب! ہماری دعا کو قبول فرما۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ اے خدا! مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین کو بھی بخش دے تو جس طرح روحانی طور پر آنحضرت ﷺ کے والدین کا ذکر کیا گیا اسی طرح دعا کرنے والے نے اپنے والدین کا بھی ذکر کیا کہ مجھے بھی بخش، میری اولاد کو بھی بخش اور میرے والدین کو بھی تو حضرت ابراہیمؑ اور آنحضرت ﷺ اور آئندہ نسلوں کا جو تعلق روحانی طور پر ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے اس دعا میں ویسا ہی اپنی اولاد کے ساتھ، اپنے ساتھ اور اپنے والدین کے ساتھ ایک تعلق دکھا کر اس کی دعا سکھادی گئی۔

پس نماز کو اگر آپ غور سے پڑھیں تو ایک لامتناہی مضمون ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور یہ ناممکن ہے کہ ہر نماز میں نماز کا ہر پہلو سے حق ادا ہو اس لئے کہیں نہ کہیں آپ کو کسی جگہ ٹھہر کر نماز کی لذت حاصل کرنی ہوگی اور یہ آپ کے مزاج اور حالات کے مطابق ہے۔ ہر لفظ پر اگر آپ ٹھہریں اور اس طرح غور کر کے نماز پڑھیں تو ایک ہی نماز 24 گھنٹے چلتی رہے گی اور یہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مزاج کو ایسا بنایا ہے کہ وہ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی کسی خاص مزاج میں انسان نماز پڑھ رہا ہے اور کبھی کسی خاص مزاج میں نماز پڑھ رہا ہے۔ کبھی سورۃ فاتحہ کا پہلا حصہ ہے اس نے ہی دل تھام لیا ہے اور آگے نہیں بڑھنے دیتا، کبھی درمیان میں آکر دل اٹکتا ہے کبھی آخر پر کبھی رکوع میں کبھی سجود میں گویا کہ مختلف حالات میں مختلف انسان اپنے مزاج کے مطابق مختلف رنگ میں نماز سے لذت پانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لئے جو شخص متلاشی ہوگا جب اس کو اپنے مزاج کی چیز کہیں ملے گی تو وہیں ٹھہر جائے گا اور وہاں وہ زیادہ لطف اٹھائے گا اور اسی طرح کوئی نماز بھی انسان کی ایسی نہیں

جو لذتوں اور پھلوں سے خالی رہ جائے لیکن اگر غفلت کی حالت میں نمازیں ادا کرنی ہیں تو ساری عمر کی نمازیں بھی خالی ہوں گی، خالی برتن ہوں گے، ایسے برتن کہ جب آپ یہ خدا کے حضور پیش کریں گے اور کہیں گے التّحیات للّٰہ و الصلوٰتُ و الطیباتُ تو خالی التّحیات کے کھوکھلے برتن ہوں گے جن میں نہ الصلوٰت ہوں گی نہ الطیبات ہوں گی۔ یہ ایک تمسخر ہے۔ اپنے ساتھ بھی دھوکا ہے اور خدا سے بھی دھوکا کرنے کی کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا بنائے کہ ہماری عبادات کو اپنے ذکر سے بھر دے اور ایسے ذکر سے بھر دے کہ جس سے ہماری زندگیاں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہمیشہ معطّر رہیں۔ ہمارے وجود خدا کی ذات سے لذت پانے والے ہوں، جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا اور خدا کی ذات کے رنگ اور اس کی صفات ہماری ذات میں جاری ہونے والی ہوں۔ یہ وہ نماز ہے جو بالآخر انسان کو خدا نما بنا دیتی ہے۔ یہ وہ نماز ہے جس کے بعد انسان جتنی دفعہ بھی نماز میں جاتا ہے ہر دفعہ کوئی نیا موتی لیکر نکلتا ہے۔ نیا گوہر لے کر واپس لوٹتا ہے۔ کبھی انسان ایسی نمازوں سے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹا، اور جتنا ترقی کرتا ہے اتنا ہی خدا کے رنگ اس پر پہلے سے بڑھ کر چڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اتنا ہی زیادہ اس میں انکسار پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ وہ رکوع اور سجود کا اہل ہوتا چلا جاتا ہے اور تکبّر کی بجائے اس میں انکساری بڑھنے لگتی ہے۔ خدا کرے کہ ہمیں، ہمارے بڑوں کو بھی اور چھوٹوں کو بھی، موجودہ نسلوں کو بھی اور آئندہ نسلوں کو بھی ایسی ہی نمازیں نصیب ہوں۔

اس کے بعد اب میں اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے آج ایک اور واقعہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں آج ہمارا ایک بہت ہی پیارا وجود جو جماعت یو۔ کے (U.K) کا ایک بہت ہی محبوب وجود تھا یعنی چوہدری ہدایت اللہ صاحب بنگوی، وہ آج صبح اچانک ہم سے جُدا ہوئے اور اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ ان کو میں بہت دیر سے جانتا ہوں، جب میں طالب علم تھا اس وقت بھی ان سے مختصر سا تعلق بنا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں آپ پیدا ہوئے تھے اور تعلیم کے دوران بھی اور بعد میں بھی جس حالت میں رہے ہمیشہ سلسلہ کے بہترین خادم رہے، کسی نہ کسی شکل میں جماعت کی خدمت کی توفیق ملتی رہی۔ تقسیم سے پہلے دہلی کے قائد مجلس خدام الاحمدیہ بھی رہے۔ تقسیم کے بعد جب جماعت کراچی کی نئے رنگ میں تنظیم قائم ہوئی تو حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو براہ راست خود مجلس عاملہ کراچی کا ممبر مقرر فرمایا۔ بہر حال سلسلہ کے مختلف خدام ہیں جنہیں مختلف رنگ میں خدمت کی توفیق

ملتی ہے اور ایک نہیں، دو نہیں، آج کل تو خدا کے فضل سے ہزاروں ہیں جو اسی قسم کی زندگی گزارتے ہیں۔ بنگوی صاحب کے متعلق جو چند کلمات میں خصوصیت سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہیں کہ آپ طبعاً خدمت کرنے والے انسان تھے۔ صرف جماعت کی ہی خدمت نہیں بلکہ اپنی سروس کے دوران جو اکثر فارن آفس میں رہی اور اس کے تعلق میں دنیا کی مختلف Embassies ایمبیسیز میں آپ مقرر ہوتے رہے۔ آپ نے اس طرح بے لوث ہر ایک کی خدمت کی ہے کہ وہ غیر احمدی، افسر ہوں یا ماتحت یا ساتھی جنہوں نے آپ کے ساتھ کسی جگہ وقت گزارا ہے ہمیشہ آپ کو بڑی محبت سے یاد کرتے ہیں اور مجھے امریکہ سے کچھ عرصہ پہلے بنگوی صاحب کے ایک دوست کا خط ملا تھا اس میں اس نے بتایا کہ یہ ایسا وجود ہے جو بھلانے کے لائق نہیں ہے۔ بہت ہی خدمت کرنے والا اور بہت ہی احسان کرنے والا وجود ہے۔ پس اس دور میں جو ربوہ سے آنے کے بعد کا دور ہے اور جسے میں ہجرت کا دور کہہ رہا ہوں، جبکہ میں پاکستان سے آکر انگلستان میں عارضی طور پر آباد ہوا تو آتے ہی میں نے سب سے پہلے یہ صدائے عام دی کہ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ (الصف:۱۵) کون ہے جو اللہ کی خاطر، اللہ کے نام پر میری نصرت کرنے والا بنے گا تو وہ اولین آوازیں جنہوں نے لبیک کہا ان میں ہدایت اللہ صاحب بنگوی کی آواز بھی تھی اور اس آواز میں ایسا خلوص تھا، ایسی سچائی تھی کہ اس کے بعد میں نے ان کو ہمہ وقت خدمت دین میں مگن دیکھا اور سخت بیماری کی حالت میں بھی اس بیماری کو چھپا کر کہ مجھے خدمت سے روک نہ دیا جائے آپ خدمت میں ہمیشہ مگن رہے اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ ان آوازوں میں سے یہ آواز یقیناً سچی آواز تھی صدقِ دل سے اٹھائی گئی آواز تھی۔ چنانچہ ساری زندگی جو آپ نے بعد میں میرے ساتھ گزاری وہ زندگی اس بات کا نمونہ تھی کہ آپ واقعی اللہ کے انصار میں داخل ہو گئے تھے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب:۲۴) ان لوگوں میں سے اور بھی بہت سے ہیں جنہوں نے اپنی نیتوں کو پورا کر دیا اور بعض ایسے ہیں جو نیتیں پوری کر کے خدا کے حضور حاضر ہو گئے اور بعض ایسے ہیں جو ابھی انتظار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس وجود کو غریق رحمت فرمائے۔ آخر سانس تک خدمت میں وقت گزارا۔ ہر جلسہ کے بعد جب میں اُن کو مبارک باد دیتا رہا کہ آپ نے بہت ہی عمدہ خدمت کی ہے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے تو ہمیشہ جذبات سے

مغلوب ہو جایا کرتے تھے اور دو باتیں ہمیشہ کہا کرتے تھے ایک تو یہ کہ میری خدمت کوئی چیز نہیں ، یہ آپ کی دعاؤں کا پھل ہے اور پھر تکرار سے کہا کرتے تھے کہ میں تکلفاً نہیں کہہ رہا میں دل کے پورے یقین سے کہہ رہا ہوں کہ یہ محض دعاؤں کا پھل ہے، میری کوئی حیثیت نہیں ہے دوسرے یہ دُعا یاد کرایا کرتے تھے کہ میرے لئے ہمیشہ یہ دعا کریں کہ چلتے پھرتے آخری سانس تک خدمت میں میری جان جائے۔ ایسا ہی ہوا اور یہ جلسہ جو بہت ہی کامیاب گزرا ہے، آپ نے دیکھا کہ کس طرح ان کو سخت بیماری کی حالت میں بھی چلتے پھرتے خدمت دین کی توفیق ملتی رہی۔ صبح جب میری بیگم کو پتہ چلا کہ بنگوی صاحب وفات پاگئے ہیں تو کہتی ہیں کہ رات بڑی دیر تک نیچے سے میں ان کی آوازیں سنتی رہی۔ یہ آکر مہمانوں کے لئے ہدائتیں دے رہے تھے اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی کراری اور بلند آواز والا شخص جو اس طرح رات گئے بہت دیر تک مہمانوں کی خدمت میں مصروف ہے، صبح اچانک رخصت ہو جائے گا مگر بہر حال یہ بھی اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ۱۹۸۵ء سے لے کر اب تک ، جب میں نے انہیں افسر جلسہ مقرر کیا تھا، یہ نہایت ہی عمدگی اور کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض کو سرانجام دیتے رہے اور یہ ساری زندگی گویا Lease پر تھی یعنی ڈاکٹروں نے تو جواب دیا ہوا تھا لیکن خدمت دین کا جذبہ انہیں لئے پھرتا تھا اور اللہ نے اس جذبے کو قبول فرمایا اور زندگی کا ایک نیا دور عطا فرمایا۔

پس اگر چہ جدائی انسان کو ضرور دکھ پہنچاتی ہے لیکن بعض جدائیاں دُکھ کے ساتھ بعض خوشی کے جذبات بھی رکھتی ہیں۔ ان کی جدائی کی بھی یہی کیفیت ہے۔ جیسے کوئی شخص کامیاب دورے کے بعد رخصت ہو رہا ہو تو لوگ دل کے بڑے گہرے غم کے ساتھ اس کو رخصت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی صمیم قلب کے ساتھ مبارکبادیں بھی پیش کرتے ہیں۔ پس میں اس جانے والے کو اسی جذبے کے ساتھ رخصت کرتا ہوں کہ اے جانے والے! ہم بہت مغموم ہیں۔ ہمارا دل تیرے صدمے سے گھائل ہو گیا ہے لیکن ہم صمیم قلب کے ساتھ تجھے مبارکباد پیش کرتے ہیں تو نے ایک کامیاب بندے کی زندگی گزاری اور ایک کامیاب احمدی کی حالت میں آخری سانس تک زندہ رہا اور اسی حالت میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی ۔ اللہ بے شمار رحمتیں ان پر نازل فرمائے اور اس ٹیم کو انہی نیکیوں پر قائم رکھے جس ٹیم کو انہوں نے بڑی محنت اور خلوص اور دعاؤں کے ساتھ تیار کیا ہے۔ ان کا نعم البدل ہمیں عطا کرے۔ ان کی اولاد کو توفیق

بخشے کہ وہ ان کی خوبیوں کو اپنی ذات میں زندہ کر کے انہیں نئی زندگی عطا کریں۔ آمین۔

جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے اس کی تاریخ میں وہ انشاء اللہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی اولاد کو ہمیشہ اپنے فضلوں کا وارث بناتا رہے اور ان کی روح کو اعلیٰ علّیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

اس کے بعد میں یہ مختصر اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ جمعہ کے معاً بعد انشاء اللہ ان کا جنازہ ہوگا۔ اس کے ساتھ کچھ جنازہ ہائے غائب بھی ہوں گے جن کا اعلان غالباً پہلے کیا جا چکا ہے اور میری خواہش تھی کہ اسی جلسہ کے اختتام پر اسلام آباد ہی میں ان کا جنازہ ہو چنانچہ اس خواہش کے پیش نظر ان کے عزیزوں نے بہت محنت کر کے بہت جلدی جلدی ان کو غسل دیا اور تیار کیا۔ پس آپ سب لوگ جمعہ کے بعد اسی جگہ کھڑے رہیں سوائے ان چند ساتھیوں کے جو میرے ساتھ باہر جا کر ان کی نعش کے سامنے کھڑے ہو کر وہاں جنازہ پڑھیں گے۔ باقی آپ اسی طرح صفوں میں کھڑے ہو جائیں۔